تاریخ پڑی درویزہ (جہلم)

سابق بھارتی وزیراعظم آنجہانی اندر کمار گجرال کے قصبے کا تعارف

انجم سلطان شہباز

نام کتاب تاریخ پڑی درویزہ

مصنف انجم سلطان شہباز

پیشکش راجا محمد آصف

سن اشاعت 2000ء

تعارف قصبہ

پڑی درویزہ خطہ پوٹھوار میں سطح مرتفع کا ایک خوبصورت قصبہ ہے یوں تو اس کی شہرت کی اور بھی بہت سی وجوہات ہیں مگراس خطے سے جنم لینے والی نادرِروزگار شخصیات نے اس کوشہرتِ دوام بخش دی ہے۔ یہ قصبہ آغوشِ فطرت کا پروردہ، ثقافتِ پوٹھوار کی نیرنگی اور سادگی کا مرقع، ماضی کی ایک جیتی جاگتی تصویراور بھلے دنوں کا چشم دید گواہ ہے۔اس نے زمانے کے بڑے نشیب وفراز دیکھے ہیں جہاں آج اس کے دامن میں مسلمان بس رہے ہیں کبھی وہاں ان مسلمانوں کے ساتھ ساتھ کھتریوں اور ہندوؤں کے علاوہ سکھوں کا بھی طوطی بولتا رہا ہے۔

وجہ شہرت

بھارت کے سابق وزیراعظم جناب اندرکمار گجرال کا آبائی وطن اورجنم بھومی شمالی پنجاب کے خطہ پوٹھوار میں ''پڑی درویزہ'' کے نام سے معروف ہے۔ پوٹھوار دنیا کی قدیم ترین تہذیب اورمختلف النسل قوموں کا مسکن ہے۔ یہ اقوام کوہ ہندوکش کے راستے داخل ہوئیں اور یہاں آ کرآباد ہوگئیں۔ ہندوستان کا نامور حکمران مہاراجہ چندرگپت موریہ راولپنڈی کا رہنے والا تھا۔ ہندوؤں کی مذہبی کتاب رگ وید اورآتش پرستوں کی اوستا کی تخلیق اسی علاقہ میں ہوئی۔

اس علاقہ سے بے شمار تاریخی واقعات وابستہ ہیں مثلاً سکندراعظم کی راجہ

پورس کے ہاتھوں بعداز جنگ ناکامی ،دنیا کی پہلی بدھ یونیورسٹی ٹیکسلا،سنسکرت یونیورسٹی اور رام چند رجی لکشمن وسیتا کی عارضی رہائش گاہ سید پور ،کٹاس راج کا مقدس چشمہ،سکھوں کا مقدس مقام پنجہ صاحب ،دنیا کا پہلا ریاضی دان پانینی ،گندھارا آرٹ کی ابتدا، ہندوجوگی فرقہ کی ابتدا،ٹلہ جوگیاں ،برصغیر میں پہلے عیسائی مبلغ سینٹ تھامس کی ٹیکسلا آمد،شہاب الدین غوری بادشاہ کی آخری آرام گاہ موضع دھمیک ،سوہاوہ ،عظیم قلعہ روہتاس اورسیاست کا ماہر چانکیہ بھی ٹیکسلا کا باسی تھا۔

محل وقوع ووجہ تسمیہ

سابق وزیراعظم اندرکمار گجرال کا آبائی گاؤں پڑی درویزہ سوہاوہ ٹاؤن سے 23 کلومیٹر بطرف جنوب ،جہلم شہر سے 53 کلومیٹر بطرف شمال واقع ہے ۔قدیمی ریکارڈ محکمہ مال کے مطابق علاقہ پبی (سوہاوہ) کی لمبائی 31 کلومیٹر،عرض اڑھائی کلومیٹر ہے جبکہ اس میں،85 مواضعات کے 153 نمبرداروں کے علاوہ 4 ذیلداراور 4 انعام خوار تھے۔

یہاں برساتی نالے،کسیاں بکثرت موجود ہیں اورزمین پتھریلی اورناہموار ہونے کی وجہ سے ''پبی'' مشہور ہوئی۔پانی کی سخت قلت ہے۔موضع پڑی درویزہ کی ہمسائیگی میں دیہات غربی سمت دئیوال،شرقی سمت بلبل کلاں،شمالی سمت موہڑہ کنیال اور جنوبی سمت موہڑہ روشن وگدڑال اور پہاڑ نیلی واقع ہے۔پتھریلی جگہ آبادی ہونے کی وجہ سے گاؤں کا نام ''پڑی'' مشہور ہوگیا۔مگرکسی وجہ سے غیرآباد ہوگیا۔

رقبہ،تالاب اور بازار

مغلیہ دور میں گاؤں کا رقبہ ایک آسامی چھ قلبہ/270 گھماؤں تھا۔ رپورٹ بندوبست 1901ء کے مطابق 1681 گھماؤں میں سے 682 گھماؤں مزروعہ اور 963 گھماؤں شاملات، غیر آباد اور بقیہ سکنی و غیر ممکن میں شامل تھا۔ رپورٹ مردم شماری 1911ء کے مطابق اس کی آبادی 1019 نفوس پر مشتمل تھی۔ مالکان اراضی زیادہ تر اقوام گکھڑ و کھتری گوجرال تھے۔ بندوبست اراضی 1940ء کے مطابق مالیہ زمین 958 روپے تھا۔ گردونواح کے دیہات خرید و فروخت کے لئے بازار میں آتے تھے جو عہد قدیم سے یہاں موجود ہے۔ یہاں پر ایک پختہ اور خوبصورت تالاب سردار جے سنگھ کی ماتا جی نے تعمیر کروایا تھا۔ جس کو (ماں سر) مائی کا ''سَر'' بھی کہتے ہیں ''سَر'' سے مراد تالاب ہے۔ میرے محسن، رفیق اور معروف شاعر صدیق سورج اپنے بچپن کی یادوں کو تازہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ گاؤں میں کافی سارے تالاب تھے ایک تالاب قدیمی قبرستان کے ساتھ واقع ہے جب کہ مذکورہ ''سَر'' کے اطراف میں کھجوروں کے اشجار تھے جو اس تالاب کو ایک نخلستان کا روپ دیتے تھے۔ یہ کھجوریں ان کاروانوں کی یادگار تھیں جو یہاں سے قریباً سو گز کے فاصلے پر پڑاؤ ڈالا کرتے تھے۔

1947ء میں تقسیم ہند کی وجہ سے غیر مسلم سکان نقل مکانی کر کے بھارت سدھار گئے، اس لئے ان کے جانے کے بعد یہ گاؤں بے رونق سا ہو گیا۔

تقسیم ہند 1947ء میں بھارت اور پاکستان منتقل ہونے والے خطہ پوٹھوہار کے مہاجرین و متاثرین کو اپنے آبائی علاقوں اور دیہات سے آج تک دلی محبت اور عقیدت ہے جو ایک فطری امر ہے۔ پچاس سال مشکل ترین مالی اور انتظامی اتھل پتھل ہونے کے باوجود خطہ پوٹھوہار کے مہاجرین و متاثرین نے دونوں ممالک کے معاشروں میں نمایاں مقام

حاصل کیا اور خوش وخرم وخوشحال ہیں۔

تاریخ کے دریچوں سے

بعدازاں درویز خان اور دریا خان افغان بطور وراثت احمد شاہ درانی بادشاہ کے عہد میں آباد ہوئے، درویز خان لاولد رہا۔ دریا خان کی اولاد قابض رہی۔ مگر گاؤں کا نام بڑی درویزہ کے نام سے مشہور ہوا۔ گردش روزگار سے افغان بھی غیر آباد ہو گئے۔ بعدازاں اقوام گکھڑ بگیال، بینس اور کنیال بھی آن بسے۔ سکھ دور حکومت میں سردار جے سنگھ اور سردار ماکھ سنگھ کی یہاں رہائش کی وجہ سے اہل حرفہ اور دیگر خدمت گار اقوام آباد ہوئیں۔ سکھ سرداروں نے یہاں ایک چھوٹا سا قلعہ بھی تعمیر کیا۔ بعدازاں قلعہ تو تباہ ہو گیا مگر اس کے آثار موجود ہیں۔ یہاں چند گھروں پر مشتمل ایک آبادی قلعہ محلّہ کے نام سے جانی جاتی ہے۔ اہل حرفہ موچی قبیلہ واضح تعداد میں آباد ہے۔ قوم کھتری کی مختلف گوتیں بھی یہاں آن بسیں ان میں گجرال بھی تھے۔ ان میں چند گھرانے ساہوکار پیشہ تھے۔ خطہ پوٹھوار میں رائج الوقت رسم ورواج کے مطابق عوام الناس بالخصوص زمیندار طبقہ کو قرض نقد و جنس دیا کرتے تھے۔ بمطابق

قانون کچھ رقبہ زمین ضبطی بحق ساہوکاراں ہوا اور علاوہ ازیں زیادہ تر رقبہ کھتری خاندان نے خرید لیا اور ان کا شمار بھی مالکان اراضی میں ہونے لگا۔ علاقہ سوہاوہ کے ہندو، سکھ زمینداروں اور جاگیرداروں میں موضع خالصہ انندا ں کا بھائی سکھ خاندان، موضع بشندور کا بخشی اور بڑی درویزہ کا کھتری گوجرال خاندان شامل تھے۔ تاریخ شاہان گوجر میں لکھا ہے کہ گجرال بھٹی راجپوت نسل سے ہیں ان کا مؤرثِ اعلیٰ کنو کے نام سے مشہور تھا۔ وہ کم عمری میں ہی اناتھ ہو گیا

اوراس کی پرورش و پرداخت کا ذمہ ایک گوجر خاندان نے لے لیا۔اسی لئے اس کی اولاد بھی گوجرال کے نام سے مشہور ہے۔

تعارف کھتری خاندان گوجرال اور مختصر شجرہ نسب

1357، 1938اور 1995 کے اعداد وشمار

سابق وزیراعظم اندرکمار گجرال کی نسل میں چار پشت قبل، آرفانی شاہ ،نامی بزرگ ہوگذرے ہیں۔ آرفانی شاہ کے تین بیٹے ہرسہائے، کنہیامل اور صوبا سنگھ تھے۔چوہدری ہرسہائے عہد سکھاں میں مشہور ساہوکارتھا۔سکھ حکمرانوں کی طرف سے مقبوضہ اراضی کی چہارم عطا تھی۔پوٹھوہار کے علاقہ سوہاوہ میں بوجہ اثرورسوخ چیدہ آدمی تھا۔چوہدری ہرسہائے کے پوتے اور رام جوایا کے بیٹے لکھمی داس شاہ نے بوجہ ساہوکارہ علاقہ بھرمیں اچھا اثرورسوخ حاصل کیا۔ضلع جہلم پنجاب کے دیہات ایکٹ انتقال اراضی کے نفاذ سے قبل کافی زرعی جائیدادادھاراور نقد خرید لی۔ڈسٹرکٹ درباری اور کرسی نشین تھا۔جہلم شہراورسوہاوہ ٹاؤن میں بھی قیمتی جائیداد حاصل کی

۔بعدازاں زرعی وسکنی جائیداد کے حقوق مالکانہ بھی حاصل کئے۔1927ءمیں ڈاکوؤں نے اسے ڈکیتی میں مزاحمت پرقتل کردیا۔لکھمی داس کی اولاد سے ڈاکٹر کرپارام ،شورام اور نرائن داس نے برطانیہ سے تعلیم حاصل کی۔

آرفانی شاہ کے دوسرے بیٹے کنہیامل کی اولاد سے گوردیال اور رگورودت سنگھ ، لکھمی داس کے حریف ساہوکار تھے۔بالخصوص گوردت سنگھ نے اپنی قابلیت سے بذریعہ

ساہوکارہ کافی جائیداداوراثر ورسوخ بھی حاصل کیا۔ گورودت سنگھ کا بیٹا لالہ رگھوناتھ گو باپ کی طرح اثر ورسوخ نہ رکھتا تھا۔مگر پڑھا لکھا،شریف اور قابل ذکر شخص تھا۔تقسیم ہند کے وقت لالہ رگھوناتھ کا پوتا اور کاتی رام کا بیٹا مانک رام موجود تھے۔مانک رام کا بیٹا بسنت رام اوراس کا بیٹا وید پرکاش ہیں۔

گوردیال کے تین بیٹوں میں سے لیکھ راج اور لکھمی داس لاولد تھے۔تیسرے بیٹے ہیرانند کی اولاد سے موتی رام ، محل چند ،مانک چند اور نسبت رام تقسیم ہند کے وقت موجود تھے۔ لکھمی داس ساہوکاراور گورودت سنگھ ساہوکار کی اولاد اپنے والدین کی طرح اثر ورسوخ نہ رکھتی تھی۔

مانک چند کی نسل آگے چلی اوراس کے ہاں دو بیٹے جگدیش چندراور کرشن چندر پیدا ہوئے۔جگدیش چندر کی اولاد نوررادھا رائے اور سنجے ہیں جبکہ کرشن چندر کی اولاد میں گیتا،سرلہ،سمن،اورایلک کے نام آتے ہیں۔

آرفانی شاہ کے تیسرے بیٹے صوباسنگھ کی اولاد صرف ایک بیٹا مول راج نامی تھا۔مول راج کے چار بیٹے ہیم راج ،دونی چند ،رام جوایا اور لالہ گیان چند تھے۔لالہ گیان چند ٹھیکیدار،شریف،خوش اخلاق اورمخیّر انسان تھے۔انہوں نے گاؤں پڑی درویزہ میں شفاخانہ،ہسپتال قائم کرر کھا تھا۔جس کے تمام اخراجات وہ خود برداشت کرتے اورعلاج مفت تھا۔اِسی لئے علاقہ بھر میں خدمت خلق کی وجہ سے اثر ورسوخ تھا۔ان کی اولاد میں ودیا دھر کی شادی ونیتا تلواڑ سے ہوئی اوران سے ایک بیٹا وجے کمار اور چار بیٹیاں کشلا

سہگل،کرتی پراشر،میدھا جلوٹا اورایدا چوپڑا تولد ہوئیں۔ وجے کمار کی اولاد میں سے وِملا کی شادی دھرم بیر تلواڑ اور شکتی کی شادی پران سکند سے ہوئی۔

ہیم راج بھی معقول شخصیت تھے۔رام جوایا کی اولاد سے دیوان چند ، لکھن چند تھے۔

دونی چند گجرال کے تین بیٹے رام نرائن ،لالہ اوتارنرائن اور نرسنگھ نارائن تھے۔رام نرائن اور نرسنگھ نارائن کی رہائش پڑی درویزہ میں تھی۔مگر لالہ اوتارنرائن بی اے ایل ایل بی وکیل بن جانے کی وجہ سے ڈسٹرکٹ ہیڈکوارٹرجہلم شہر منتقل ہوگئے۔خدمت خلق اورلائق وکیل کی حیثیت سے قانونی طبقوں میں نمایاں مقام حاصل کیا۔کانگریس پارٹی میں شامل ہوکر سیاست میں اعلیٰ مقام حاصل کرتے ہوئے صدر کانگریس پارٹی ضلع جہلم منتخب ہوئے۔1935ء میں علاقہ سوہاوہ کے سات گریجویٹ افراد میں لالہ اوتارنرائن گوجرال بھی شامل تھے۔سیاسی وسماجی خدمات کی

وجہ سے ان کا شمار کانگریسی طبقہ صوبہ پنجاب کی چیدہ اوراہم شخصیات میں ہوتا تھا۔تقسیم ہندتک کانگریس پارٹی سے وفاداری ،خدمات اوروابستگی برقراررہی ۔تقسیم ہند کے بعد بھارت کےشہر جالندھر چلے گئے۔

رام نارائن نے تین شادیاں کی تھیں ان میں سے ان کی اولاد اونکر نارائن،جگدیش نارائن،کرم نارائن،راجندر کمار اورست پال تھی۔

لالہ اوتار نارائن کی اولاد میں دو بیٹے اندر کمار گجرال،ستیش گجرال اور دو بیٹیاں

شریمتی اوما نندا اور سنیتا جج ہیں۔

اندر کمار گجرال کی شادی شریمتی شیلا جی سے ہوئی۔ اور ان سے نریش اور وشال دو بیٹے پیدا ہوئے۔ نریش کی شادی انجلی پانڈے سے ہوئی اور ان کے ہاں دو بیٹیاں دیکشا اور دیوا ہیں۔ وشال کی شادی رجنی جوشی سے ہوئی اور ان کے ہاں ایک بیٹا انچیا ہے۔

ستیش گجرال کی شادتی شریمتی کرن سے ہوئی اور ان کے ہاں موہت، الپنا اور رسیل نے جنم لیا۔ موہت کی شادی فیروز سے ہوئی اور ایک بیٹا ارمان اور بیٹی الایا پیدا ہوئے۔ الپنا کی شادی وکرم چوپڑا سے ہوئی اور ان کے ہاں دو بیٹے منیو اور ویون پیدا ہوئے۔ رسیل کی شادی نوین انسل سے ہوئی اور اولاد میں دو بیٹے اکرش اور ایمان ہیں۔

جبکہ صاحبزادی اوما نندا کی شادی کشن لال نندا سے ہوئی اور ان کے ہاں اروند نے جنم لیا اور اروند کے دو بیٹے ویراج اور ارہان ہیں۔

سنیتا جج کی شادی بی ایس جج سے ہوئی اور ان کے ہاں امیت، پایل وسونی، اور بندیا جین نے جنم لیا۔ پائل کے ہاں سنجے وسونی کا جنم ہوا اور ان بیٹی نندتا ہے۔

نرسنگھ نارائن کی اولاد کرم ویر، سدیش، دھرم ویر، اور رتنا ویر پر مشتمل تھی۔ کرم ویر کے ہاں نتن اور رچنا نے جنم لیا، سدیش کی اولاد کامل، کرن اور مینا ہے، دھرم ویر کی اولاد اشیش اور ویشالی ہیں۔ جبکہ رتنا ویر کی اولاد میں دھیرج، دھرمندرا اور ارچنا ہیں۔

سابق وزیر اعظم (بھارت) اندر کمار گجرال

لالہ اوتار نارائن گجرال B.A.L.L.B کے بیٹے اندر کمار گجرال سابق وزیر اعظم

بھارت چار4دسمبر1919ء ؁ شمالی محلّہ جہلم میں پیدا ہوئے۔ آ ئی کے گجرال نے جہلم شہراور پھر گورنمنٹ کالج لاہور سے تعلیم حاصل کی۔ آپ نے بی کام، ایم اے اور پی ایچ ڈی کی ڈگریاں حاصل کیں۔ آپ نے اپنے والدین کے مشن کو جاری رکھا۔

برصغیر کی جدوجہد آزادی میں آپ کے گھرانہ گجرال نے نمایاں خدمات سرانجام دیں۔ چنانچہ جدوجہد آزادی میں حصہ لینے کی پاداش میں 1942ء میں پابند سلاسل رہے۔1959ءتا1964ء میونسپل کونسل دہلی کے نائب صدر رہے۔1964ءتا1976ء پھر 1989ء تا 1991ء اور 1992 ممبر پارلیمنٹ بنے۔ 1967ء تا 1976ء وزیر برائے، اطلاعات ونشریات مقرر ہوئے نیز انہوں نے، مواصلات، ورکس، ہاؤسنگ اور منصوبہ بندی میں خدمات سرانجام دیں۔

1976ءتا1980ء روس میں بھارت کے سفیر رہے۔1989ءتا1990ء وزیرخارجہ اور 1996ء میں دوبارہ وزیرخارجہ کا قلمدان سنبھالا۔ 1997ء وزیراعظم دیوگوڑا کے خلاف عدم اعتماد ہونے کے بعد21اپریل1997ء زندگی کی طویل ترین سیاسی، سماجی خدمات کے صلہ میں، جن کا آغاز آپ نے اپنے والدمحترم کے ہمراہ ضلع جہلم کی موجود تحصیل سوہاوہ کے گاؤں''قلعہ پڑی درویزہ'' سے کیا تھا۔ بھارت کے بارہویں وزیراعظم کی حیثیت سے اس منصب جلیلہ پر فائز ہوئے۔ بعدازاں آپ کی حکومت تحلیل ہوگئی اور1998ء کے انتخابات میں ایک بار پھر بھارت کی پارلیمنٹ میں لوک سبھا کے ممبر منتخب ہوگئے۔

سرزمین پوٹھوہار کے اس باسی نے برصغیر کے سب سے بڑے خطہ بھارت کے

وزیراعظم کا منصب حاصل کیا۔ پوٹھوہار کا باسی ہونے کی وجہ سے وزیراعظم منتخب ہونے پر جہلم شہر اور سوہاوہ میں مٹھائی تقسیم کی گئی۔

ساکنانِ پڑی

پڑی درویزہ گاؤں میں سابق وزیراعظم اندر کمار گجرال کے خاندان کے علاوہ دیگر گوتوں کے کھتری گھرانے بھی آباد تھے۔ جن میں انار سنگھ، بھگوان سنگھ اور بوٹا کی اولاد شامل ہے۔ انار سنگھ کی نسل سے بوٹا سنگھ تریال سنگھ، لنگر سنگھ، نہال سنگھ، شام سنگھ اور پریم سنگھ تھے۔ پریم سنگھ کی بیوی مسماۃ جوائی اور ساون سنگھ کے تین بیٹے رتاب سنگھ، سندر سنگھ اور لکھمی د اس تقسیم ہند تک زندہ تھے۔

شاخ نمبر دو میں بھگوان سنگھ کی اولاد سے تین بیٹے امیر سنگھ، گلاب سنگھ اور جواہر سنگھ تھے۔ امیر سنگھ کا بیٹا نتھا سنگھ، گلاب سنگھ کی بیوہ مسماۃ وزیراں، جوہدہ سنگھ کی بیوہ مسماۃ گوری، نتھا سنگھ کے تین بیٹے پریتم سنگھ، ہر بنس سنگھ اور سوہن سنگھ 1947ء میں زندہ و سلامت تھے۔

ہندو اور سکھ موضع پڑی درویزہ کے علاوہ علاقہ سوہاوہ اور اس کے دیہات پھلڑے سیّداں، سُر گڈھن، خالصہ انندان، کھہر کہ، اور بشندور میں آباد تھے۔ موضع سُر گڈھن عہدِ سنگھاں میں بخشی دولت رام، بخشی فتح سنگھ، بخشی سادھو رام مختلف سکھ سرداروں کے ہاں ملازم تھے۔ معقول اراضی اور ذریعہ معاش ہونے کی وجہ سے انہوں نے عمدہ مکانات تعمیر کروائے۔ بخشی دیوراج اور اس کے پسران بھیم سین، وزیر چند اور امیر چند کا شمار معروف

شخصیات میں ہوتا تھا۔مگر یہ صاحبِ اولاد نہیں تھے۔جبکہ دیوا سنگھ اور بے انت سنگھ بٹوارے تک مشہور ساہوکار تھے۔عہد سنگھاں میں موضع خالصہ انندان میں دو خاندان نہایت مشہور و معروف تھےان میں ایک خاندان چودھری ہیراا ور دوسرا چودھری ہزاری لال کا تھا۔

ملک لچھمن نرائن آف موضع سرگڈھن کو ''سرگڈھن'' کا موضع بطور جا گیر عطا ہوا تھا۔مگر انگریزی راج میں دونوں مذکورہ خاندانوں کو اس موضع کا مشترکہ مالک تسلیم کر لیا گیا۔ نیز نمبرداری بھی اسی خاندان میں تھی۔ بندوبست 1901ء میں بھائی ہنس راج نے عمدہ خدمات کے عوض انعام سفید پوشی حاصل کیا۔ بھائی موہن داس کھتری بھروال کے بے شمار عقیدت مند تھےاور اس نے باقاعدہ سلسلہ پیری مریدی شروع کرر کھا تھا۔

موضع خالصہ انندا ں میں بھائی موہن داس کھتری بھروال ایمن آباد (وزیرآباد) سے برادری کی ناراضی کے سبب یہاں آیا اور سلطان مقرب خان گکھڑ والئ پوٹھوہار نے یہ بیابانی علاقہ وجنگل بطور جاگیر اسے عطا کر دیا۔اس نے ازسرنو اس زمین کے حقوق مالکانہ حاصل کر لئے۔اس کے بعد موہن داس کا بیٹا گدی نشین بنااور کچھ عرصہ بعد لاولد اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔اس کے بعد اس کا چیلا نہ صرف یہ کہ گدی نشین بن گیا بلکہ تمام جائیداد بھی اس کی تحویل میں آ گئی۔دھیان سروپ کا بیٹا لال موہن بھی لاولدی کے عالم میں گذر ا اور اس کا بھانجا بھائی روپی رام کھتری بھروال خاندان سے مالک وراثت ٹھہرا اور گدی نشین بھی بن گیا۔ بعدازاں اس گدی پر رائے زادہ موہر سنگھ ساکن قصبہ سوہدرہ (وزیرآباد) براجمان رہا اور کل جائیداد بھی اس کے زیر قبضہ رہی۔ پھر رائے زادہ کہر سنگھ کا دور آیا اور وہ بھی اس عالم میں رخصت ہوا کہ

اس کے بعد اس کی کوئی اولادِ نرینہ نہیں تھی۔اس کا داماد دیوان سنگھ کھتری کوہلی موضع کونتریلہ تحصیل گوجرخان سے مراجعت کر کے اس جائیداد کا وارث بنا۔وہ مالیہ ادا نہ کر سکنے کی بناء پر بھولا برہمن ساکن موضع ٹھرہ ریاست کشمیر کے حق میں اس جائیداد سے دستبردار ہو گیا۔بعد ازیں اس نے موضع خالصہ انندال سے بطرف شمال قریباً ایک میل کے فاصلے پر ایک نیا گاؤں آباد کر لیا۔سردار چتر سنگھ حاکم پوٹھوہار کے عہد میں جیون اور مراد بخش پسران حضرو اور برخوردار و محمد پسران اللہ یار قوم اعوان علاقہ اعوان کاری (تلہ گنگ) سے آ کر قابض ہوئے اور اسی وجہ سے گاؤں کا نام ''ڈھوک میاں جیون'' مشہور ہوا۔

بھائی جواہر سنگھ کے انتقال پر مول راج جاگیردار بنا اور اس کے بعد حصہ بنام دونی چند منتقل ہو گیا اور اسے نمبردار دیہہ بھی مقرر کر دیا گیا۔جبکہ اس وقت بھائی مالک سنگھ اور بھائی سندر داس بھی خوشحال اور متمول تھے۔

موضع کھہر کہ سوہاوہ میں 1901ء میں آبادی شروع ہوئی۔مہتہ بیلی رام معزز و بار سوخ تھا۔اسیسر اہل جیوری وڈسٹرکٹ درباری ہونیکے علاوہ کافی زرعی وسکنی جائیداد کا مالک تھا۔خدمات کے سٹیفکیٹ بھی رکھتا تھا۔اس کا لڑکا مہتہ امولک رام گرداور،اسیسر اہل جیوری اور جاگیردار کے علاوہ ضلع بھر میں شریف طبع ہونے کی وجہ سے ہندو و مسلم ہر دو طبقوں میں مقبول تھا۔اس کے علاوہ ہرنام سنگھ،خوش بخت سنگھ،موہن لال ولد متھرا،گھمنڈا سنگھ،جسونت سنگھ بھی معززین علاقہ میں شمار ہوتے تھے۔موضع بکڑالہ سے لدھا سنگھ، کاہن سنگھ ،موضع پھلڑے سیداں میں کشن سنگھ اور موضع سدیالی میں شام سنگھ اور راجہ سنگھ کو موضع بڑی لس جبکہ

حکم سنگھ اورسوبھا سنگھ کوموضع ارل میں جاگیرمیں عطا تھا۔ ہرسہ سنگھ برٹش فوج میں جمعداراوراس کا بیٹا سوجان سنگھ پی سی ایس افسر مال تھا۔سردارسوجان سنگھ کے پسران میں سے اوتارسنگھ خالصہ سکول موضع سکھوکا ہیڈ ماسٹر،سوہن سنگھ انجینئر اورموہن سنگھ کوئٹہ (بلوچستان) میں ٹھیکیدار تھا۔سیتارام ساکن موضع سہنسرال بھی معزز ودولت مند تھا۔

موضع بشندور کا بخشی خاندان تین سوسال بشندور میں آبادرہا۔بخشی ٹیک چند(عہد بھنگی میں کاردار)اوراس کے بیٹے بخشی ڈالامل نے تالاب بشندور تعمیر کیا۔بخشی ڈالا مل کے چھ بیٹوں میں سے بخشی مہرسنگھ لاہورتوشہ خانہ،بخشی وزیرچند کاردارامرتسر،بخشی شام داس اوربخشی رتن چند کاردار روہتاس،بخشی راج کرن مہاراجہ کشمیر کا دیوان تھا۔بخشی دیس راج اوربخشی بھگوان داس گھوڑ چڑھ ملازم سرکار تھے۔شاخ نمبر دو سے بخشی فتح سنگھ،نمک منڈی کالاباغ میں ملازم تھا۔بخشی خاندان کوخاص بشندوراورملحقہ دیہات بشمول موضع ٹنڈوئی جاگیر میں عطا تھے۔سکھا سنگھ سہگل کے نام چند سال پٹہ زمین رہا۔ بندوبست 1860ء میں مقبوضہ اراضی کے موروثی مالک قرار پائے۔

سوہاوہ شہر میں تاجر برادری سے ہرنام سنگھ موضع سرگدھن سے آ کرآباد ہوا۔موجودہ دھمیال مارکیٹ ہرنام سنگھ کی ملکیت تھی۔سوہاوہ یونین کونسل کا پہلا دفتر مین بازار ملکیتی بلڈنگ خوش بخت سنگھ اور سیتارام میں قائم ہوا۔ہرنام سنگھ انگریزوں کی تعمیر کردہ سرائے کا انچارج اورفوج کے لئے خچریں رکھتا تھا۔مین بازار کی زیادہ تر دکانیں دیوان سنگھ کی ملکیت تھیں۔جسونت سنگھ پسر دیوان سنگھ خوش پوش نوجوان تھا۔دوسری دومنزلہ بلڈنگ موہن لال کی ملکیت تھی۔موجودہ شیخ مارکیٹ اورنزد ہائی سکول کی دکانیں مہتہ بیلی رام کی ملکیت تھیں۔موجودہ شیخ عمر مارکیٹ کی خوبصورت بلڈنگ بھی مہتہ بیلی

رام کی ملکیت تھی۔سید فرمان علی شاہ مارکیٹ ،نتھا سنگھ کے بیٹوں موہن سنگھ وگھمنڈا سنگھ کی ملکیت تھی ۔رویل سنگھ اوراس کا بیٹا دیوان سنگھ غریبوں کے مددگاراور معزز سفید پوش تھے۔موضع خالصہ انندان گاؤں میں مالک سنگھ ، بھائی سندرداس بڑے مالکان اراضی سنگھ ، بھائی سندرداس بڑے مالکان اراضی اور امیر گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔سوہاوہ شہر کے ضرورت مندوں کو ہرنام سنگھ،لدھا سنگھ سکنہ بکڑالہ۔دیوا سنگھ سکنہ سرگڈھن اور شیر سنگھ وآغا سنگھ سکنہ بشندور قرض دیا کرتے تھے ۔قرضہ سوداوراسٹامپ پیپر پر ہوتا تھا۔تین سال بعد حساب بدلتے تھے ۔قرضہ واپس نہ کرنے پرعدالت دیوانی کی معرفت وصولی ہوتی تھی۔ قرض بالعموم تین یا پانچ روپیہ سینکڑہ کے حساب سے ہوتا تھا۔اتم سنگھ اور کاھن سنگھ موضع پھلڑے سیداں اور گردونواح میں مشہور زمیندار تھے۔شہر کے وسط میں مغربی سمت ہندوؤں اور سکھوں نے کارثواب کی خاطر کنوئیں (باولیاں) تعمیر کرائے۔شہر میں سکھوں کے دو گوردوارے اور ہندوؤں کا ایک عالی شان مندر تھا۔مسجد عیدگاہ غالباً سب سے قدیم ہے اور طرز تعمیر سے یہ عہد مغلیہ کی معلوم ہوتی ہے۔

مسجد کی دیواروں پر ڈیڑھ سو سال پرانی ،مسافروں کی تحریریں لکھی ہوئی ہیں ۔شہر کے وسط میں ایک دربار ہے جو کہ عرف عام میں باوانظر حسین شاہ کے نام سے معروف ہے۔ ان کے بارے میں روایت ہے کہ اونٹ پرلدی لاش قافلے کی صورت میں لے جارہے تھے جسے مجبوراً کسی وجہ سے یہاں دفن کر دیا ان کا تعلق پٹھان قبیلہ سے تھا۔ بزرگ کا نام بھی فرضی رکھا گیا ہے۔ ہندوؤں کے مردے جلانے کے لئے موجودہ سول ہسپتال سوہاوہ کے قریب اور موضع پکھوال ندی کے کنارے شمشان گھاٹ تھا۔1940ء تک جی ٹی روڈ پر کوئی رش نہ

تھا۔ یہاں عیسائی برادری کا ایک گھرانہ بنام خوشی مسیح کی اولاد بھی قدیم سے آباد ہے۔

گکھڑ خاندان پڑی درویزہ عہدِ سنگھاں کے شروع میں آباد ہوئے۔ گاموں خان، فضل داد خان، فیض طلب خان اور رسمت خان کو بعوض ملازمت جاگیر عطا ہوئی۔ عہد انگریزی میں راجہ کفایت علی خان نے اپنی ذاتی قابلیت سے عہدہ تحصیلداری تک ترقی کی۔

جنگ عالمگیر میں خدمت کے صلہ میں دس مربع نہری اراضی بطور انعام حاصل کی۔ سرکاری حکام میں عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے۔ ان کے فرزند راجہ عنایت اللہ خان سپرنٹنڈنٹ پولیس ملازمت کی وجہ سے شہرت اور قابل و بااخلاق انسان تھے۔ بوجہ متمول وخوشحال علاقہ میں درجہ اول تھے۔ جمعدار بوستان خان مہمان نواز اور بارسوخ اور کرم خان وسیدا خان باپ بیٹا بلحاظ رسوخ قابل ذکر تھے۔ خاندان سوگیال سے فضل خان نمبر دار اوراس کا بیٹا بہادر علی خان جدی نمبردار ہیں۔ موضع پڑی درویزہ میں دو نمبردار قوم گکھڑ سے اور ایک قوم بینس سے مقرر ہے۔ بینس قوم تین ڈھوکوں میں آباد ہے۔

موچی خاندان۔ اہل حرفہ قلعہ پڑی درویزہ سے محمد یار کی اولاد سے قادر بخش، کرم فضل، فتح علی۔ وارث اور اکبر کی اولاد آباد ہے۔

شاخ نمبر 2 دو سے بندو کی نسل میں ولی ،دادو، محمد، گھیبا، سجاول، فضل، کرم دین ،گاماں، وارث، امام دین، جوان، نھتو، شفیع، رفیع، انور اور شہزاد کی اولاد آباد ہے۔

ترکھان قبیلہ سے کرم بخش کی نسل سے گاماں، فتو، سلیم، شرف ، فضل، اسماعیل

،امام دین، وارث، نادر، کالو، بخش، بہاول دین اور محمد زمان کی اولاد آباد ہے۔
شاخ نمبر 2 دوستارو(ستار) کی اولاد سے کرم بخش ،مراد بخش، گاماں، نیکا، بوٹا، جمعہ، گودڑ، کرم دین، محمد دین، محمد، نور دین ،محمد حسین اور فضل دین کی اولاد آباد ہے۔ درزی قبیلہ اہل حرفہ سے فیضا(فیض) درزی کی اولاد میں نظام دین، امام دین اور دوست کی نسل آباد ہے۔

مسلمان تاجروں میں شیخ محمد اسماعیل اور حاجی شاہ ولی سکنہ کھہر کہ تھے، بنگیال کھہر کہ سے عہد سنگھاں میں محمود خان مقدم اور عہد انگریزی میں بابو احمد خان اور قائم دین اسیسر جیوری تھے۔

علاقہ سوہاوہ وپڑی درویزہ کے مسلمان جاگیرداروں میں اکرہ خاندان موضع موہڑا اکرہ اور پنوار خاندان موضع جندوٹ وسہنسر ال عہد قدیم سے سماجی وسیاسی سطح پرنمایاں اور برسر اقتدار رہے۔ ہر دو خاندانوں کے صاحبان دستارو جاگیر کو عہد مغلیہ، عہد سکھاں، اور عہدہ انگریزی میں زبدۃ الاخوان، فراست عنوان ،تہور پناہ ،عزت نشاں ،ارادت نشاں، سردار بہادر، رئیس اور خان بہادر کے خطابات شاہانہ عطا رہے۔ وارث خان اکرہ مہاراجہ رنجیت سنگھ کی فوج کے جرنیل اور خان بہاد ربندوخان اکرہ جاگیرداراور جنگ سکھاں وانگریزاں (انقلاب 1849ء) میں شمالی پنجاب میں سکھ فوج کے جرنیل بمقام قلعہ سنگنی قلعہ دار تھے۔ خدمات کے عوض سکھ حکمرانوں نے پندرہ دیہات کی جاگیریں اور خان بہادر کا خاندانی خطاب عطا کیا۔ پنجاب پر قبضہ مکمل ہونے کے بعد سرسری بندوبست 1852ء

مسٹر آرتھر برانڈرتھ مہتمم بندوبست نے سکھ حکمرانوں کا ساتھ دینے اور انگریز کے خلاف جنگ لڑنے والے فوجی سرداروں اور جاگیرداروں کی جاگیریں ضبط کرلیں۔عہد انگریزی میں خان بہادر محمد اکرم خان متحدہ ہندوستان کی پنجاب اسمبلی کے ممبر اور رئیس بلدیہ جہلم کو 1930ء میں خان بہادر کا خاندانی خطاب بھی عطا ہوا۔اب محمد خالد خان چوتھی بار پنجاب اسمبلی کے ممبر اور صوبائی وزیر بھی رہ چکے ہیں۔

پنوار خاندان جندوٹ وسہنسرال سے چوہدری شاہباز خان عہد سکھاں میں گورنر شمالی پنجاب رہے اور ان کے بعد نجابت علی خان انعام خوار، ولایت علی خان ذیلدار، محمد افضل خان اور عنایت علی خان حلقہ جندوٹ وپڑی درویزہ سے ذیلدار اور 34 سال ممبر ڈسٹرکٹ بورڈ رہنے کے علاوہ مرکزی اسمبلی کے زمیندار ووٹر تھے۔پوٹھوہار کے چند بڑے مالکان اراضی میں خاندان ہذا کا شمار تھا سوہاوہ، موہڑہ چوہدریاں سے عہد سنگھاں میں چوہدری رفیع اور مہندا جاگیردار، اور بہادر علی عہدِ انگریزی میں جاگیردار تھے۔موضع ڈونگھی سے چوہدری محمد فضل کھتڑیل، پڑی درویزہ سے عنایت اللہ خان گکھڑ، کھڑیوٹ سے محمد حسن خان اور ابوذر خان بدھال آف سرگڈھن بڑے زمیندار تھے۔ذیلداروں میں محمد افضل خان سرگڈھن، محمد اسلم خان بکڑالہ، نادر خان انعام خوار، موہڑا اکرہ، اور شاہ خان انعام خوار موضع سہنسرال تھےان کے بعد محمد شجاع خان ممبر ضلع کونسل بنے۔

آج کا پڑی درویزہ

اس وقت بڑی درویزہ کی آبادی کا اندازہ 5000 کے لگ بھگ ہے جبکہ یہاں کم وبیش 350 گھر ہیں۔اس بستی میں چار مساجد ہیں جن میں سے دو جامع ہیں۔ایک بہت بڑا درس ہے جہاں تحفیظ القرآن، ناظرہ اور ترجمہ کی تعلیم دی جاتی ہے۔لوگ مخلص ،مہمان نواز،محبت کرنے والے اور سادگی میں دیہی ثقافت کے علمبر دار ہیں۔مین سڑک تک دو راستے جاتے ہیں ایک جھیک کے مقام پر پہنچتا ہے جو یہاں سے دو کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔اس وقت اس گاؤں میں فون کے 90 کنکشن موجود ہیں۔مرزا اور راجہ برادری کثرت میں ہے جبکہ یہاں دیگر اقوام کے لوگ بھی آباد ہیں۔لڑکوں اور لڑکیوں کے الگ الگ ہائی سکول موجود ہیں اور چند سال سے بجلی کی سہولت بھی موجود ہے۔

بڑی درویزہ کی گلیوں میں

کہتے ہیں انسان بوڑھا ہو جاتا ہے مگر اُس کی یادیں ہمیشہ جوان رہتی ہیں۔خصوصاً جہاں بچپن کے ایّام بیتے ہوں وہ کھیت کھلیان،وہ پگڈنڈیاں،وہ گلیاں اور محلّہ انسان کے ذہن سے کبھی نہیں نکلتا اور اگر اسے ایک طویل عرصے تک ان سے جدا رہنے کے بعد اچانک وہاں جانے کا موقع ملے تو اس کی طفلانہ خوشی، جوش وجذبات اور دلی کیفیات کا اظہار آسان نہیں۔وہ مختلف چیزوں کو دیکھتا ہے اور اس دوران ماضی کی ایک فلم چل پڑتی ہے جو اس کے بیتے ہوئے ہر پل کو ایک بار پھر اُس کے سامنے لا کھڑا کرتی ہے۔

مانوس راستوں کی بجائے اجنبی راستوں پر چلنا بڑا کٹھن ہوتا ہے مانوس راستے جلد کٹ جاتے ہیں مگر اجنبی راستوں پر تو ہر اک قدم دشوار ہوتا ہے۔مضمون تو راجہ آصف خان کی ایماء پر تیاّر کرنا تھا مگر مجھے تو یوں بھی تاریخی مقامات کو دیکھنے اور آثار قدیمہ کھوجنے کا ایک

جنون سا ہے۔ مضمون مکمل تھا اور میں اس کے ساتھ چند پرانی اور اہم تصاویر منسلک کرنا چاہتا تھا۔ تصویر کشی کے لئے مجھے جانا تھا اور شہزاد چودھری کو بطور ڈرائیور میری معاونت کرنا تھی۔ میں نے جب شیخ صدیق سورؔج سے تذکرہ کیا تو پتا چلا کہ ان کی جڑیں بھی اسی گاؤں میں ہیں۔ 8 اکتوبر 2004ء کو انہیں ساتھ جانے کے لئے کہا تو پہلے تو انہوں نے وقت مناسب نہ ہونے کا ذکر کیا مگر تھوڑے سے تامل کے بعد وہ مان گئے۔ شہزاد نے اپنی بائیک آفر کر دی اور سورؔج صاحب میرے ہمراہ کشاں کشاں گویا اپنے ماضی کے سفر پر روانہ ہو گئے۔

کچھ وقت کی کمی کا اندیشہ تھا اس وقت ساڑھے تین کا وقت تھا اور سورج کی روشنی تصاویر کے لئے ناگزیر تھی اور کچھ بیتے لمحوں اور ایاّم لڑکپن کی سنہری یادیں تھیں کہ سورؔج صاحب نے نہایت تیز رفتاری کا مظاہرہ کیا اور سوئی کو اسی پچاسی سے نیچے نہ گرنے دیا۔ اس سفر کا آغاز دینہ سے ہوا اور ہم شاہراہ اعظم پر سرسبز و شاداب پہاڑیوں کے درمیان سے گذرتے، بل کھاتے موڑوں سے ہوتے سوہاوہ سے آگے نکل گئے۔ دینہ سے سوہاہ کا فاصلہ 27 کلومیٹر ہے جبکہ چکوال ٹرن پوائنٹ سے چکوال کا فاصلہ 68 کلومیٹر اور پڑی درویزہ سٹاپ کا فاصلہ قریباً 23 کلومیٹر ہے۔ اب ہم چکوال

روڈ پہ تھے۔ پہلے تو سڑک کے ایک جانب تھانہ جاتلی، تحصیل گوجر خان اور دوسری جانب تحصیل سوہاوہ کے علاقہ جات تھے مگر اس کے بعد ضلع چکوال کی حدود کا آغاز ہو گیا اور اب بھی کیفیت حسبِ سابق تھی یعنی سڑک کے ایک جانب تو چکوال کے علاقے تھے اور دوسری جانب تحصیل سوہاوہ ضلع جہلم کے۔ گویا یہ سیاہ ہموار سڑک ان اضلاع کے مابین حد فاصل

تھی۔پھلڑے سیّداں،موہڑہ کنیال اورموہڑہ علیا سے آگے پڑی درویزہ کا معروف سٹاپ آ گیا اور یہی وہ مقام تھا جہاں سے ایک لنک روڈ پڑی درویزہ کی جانب جارہی تھی۔اڈہ پڑی درویزہ سے پار پیر پھلاہی کا مشہور قصبہ بھی چکوال کی حدود میں آتا ہے۔جب سورج تقسیم ہوا تو دس سیّارے وجود میں آ گئے تھے۔جہلم تقسیم ہوا تو پہلے تلہ گنگ اس کے مدار سے نکل گیا اوراس کے بعد چکوال نے بھی اپنی الگ شناخت حاصل کر لی۔

تو بات ہو رہی تھی لنک روڈ کی، یہ بل کھاتی ہوئی سڑک،نشیب وفراز سے گذرتی پڑی کی جانب جارہی تھی اور غالباًاس کے ہر موڑ پر پرانی،سہانی یادیں ہاتھ باندھے کھڑی تھیں ہر موڑ اُداس یادوں کی دھند میں لپٹا ہوا تھا۔سورؔج صاحب اپنی دادی اماں کے چہیتے تھے اور انہیں بھی دادی جان سے محبت تھی اور وہ مہینے کے نصف سے زیادہ ایاّم ان کی آغوش شفقت میں گذارتے تھے۔انہوں نے بتایا کہ وہ کس طرح ایک باررات کے وقت یہاں پہنچے اور راستہ سنسان اور ویران تھا انہوں نے اڈے کےقریبی گھر سے تعاون مانگا تو انہوں نے وہیں شب بسری کا مشورہ دیا مگر جو شخص دینہ

سے پڑی چلا جائے کیا وہ چند فرلانگ فاصلہ طے کرنے کے لئے سپیدۂ سحر کا منتظر رہ سکتا ہے؟ بہرکیف تعارف کے بعد انہوں نے ایک جوان کوان کے ہمراہ کیا جوانہیں پڑی چھوڑ کر چلا گیا اگرچہ اثنائے راہ ایک بارات سے بھی ملاقات ہوگئی مگر وہ نوجوان جسے انہیں پہنچانے کی ذمہ داری سونپی گئی تھی انہیں راستے میں چھوڑنے کے لئے تیار نہیں تھا۔

اس راستے کے نشیب وفراز سے گذرتے ہوئے جانے سورؔج ماضی کے کس قدر پیچ

وخم سے نکلے ہوں گے۔ بڑی کے گاؤں سے پہلے ایک باولی آئی۔ایک تاریخی باولی،جس نے ہر قوم اور قبیلے کے افراد کی پیاس بجھائی تھی۔ یہ باولی آج بھی لبریز تھی۔اس باولی سے اندرکمال گجرال کے پرکھوں نے بھی پانی پیا ہوگا اور سورج کے آباء نے بھی۔اور عین ممکن ہے اسی باولی پہ کبھی اندرکمار گجرال بھی آتے ہوں۔

سورج صاحب نے بتایا کہ یہاں نیچے نشیبی جگہ پر پتھروں کا ایک ڈھیر ہوا کرتا تھا،اور ہر گذرنے والے پر لازم تھا کہ وہ یہاں دو پتھر پھینکے۔اس وقت یہاں سڑک نہیں تھی پگ ڈنڈی تھی جس پہ سبھی کے پاؤں کے نشانات تھے۔اسی پگڈنڈی کے ایک موڑ کے بارے میں سورج صاحب نے بتایا کہ بزرگ اور ضعیف افراد تو ذرا آگے جاکر سہل راستے سے مڑتے تھے مگر نوعمر اور پرجوش بچے عمودی چٹانوں کے درمیان ایک تنگ مگر کٹھن راستے سے دوڑتے چلے جاتے تھے۔گویا اس پگڈنڈی کے ہر پگ پر ایک داستان تھی۔

وہ کیا سماں ہوگا جب لوگ پیدل،گھوڑوں یا اونٹوں پر سوار یہاں سے گذرتے ہوں گے۔ یہاں بجلی نہیں تھی مگر محبت کی حدت تھی۔ یہاں فون کے تار نہیں تھے مگر لوگوں کے دلوں کے تار ایک دوسرے سے جڑے ہوئے تھے اور وہ بن کہے اک دوجے کی بات جان لیتے تھے۔

باولی آج بھی موجود ہے اس کا پانی بھی ہے مگر اس کے پانی کے ساجھی اسی طرح غائب ہو چکے ہیں جس طرح اس پتھروں کے ڈھیر کو گویا کچھ نادیدہ ہاتھوں نے پیش منظر سے غائب کر دیا تھا۔اس باولی کے ساتھ ایک نوعمر درخت بھی ہے مگر وہ اس باولی کی عظمت کو

نہیں پہچانتا۔ کنویں کے ساتھ دو حوض نما جگہیں ہیں جو غالباً بعد کا اضافہ ہیں۔ دس سیڑھیوں کا ایک سلسلہ نیچے کنویں تک پہنچنے میں مدد دیتا ہے جہاں ایک چھوٹا سا در ہے اور وہاں بیٹھ کر عہدِ ماضی کے راہرو اپنی پیاس بجھاتے تھے۔ یہ پڑی سے مین راستے کی جانب قریباً ایک کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔

تو چلیئے ذرا ''پڑی درویزہ'' میں داخل ہوتے ہیں۔ یہ گاؤں میرے لئے ایک عجیب طرح کا احساس لے کر آیا۔ اس کی پہلی جھلک نے مجھے ماضی کی گود میں اُچھال دیا۔ ہر طرف پختہ مکانات کے ساتھ روایتی، کچے گھر۔ کچے گھر جو میری کمزوری ہیں۔ پھلاہی اور دیگر اقسام کے گھنیرے درخت، وسیع و عریض ہموار کھیت، دور نشیب کی جانب اونچے نیچے ٹیلوں اور کھائیوں کا پراسرار سلسلہ۔ گلیوں میں مستورات سروں پہ گھڑے اُٹھائے پانی لینے جارہی تھیں اور ان کا یہ انداز نہایت دلکش اور روایتی تھا۔

ی اسی بستی کا منظر ہے جسے اب ہم صرف مصنوعی فلمی ماحول میں دیکھتے ہیں۔ مجھے معلوم ہوا کہ یہاں واٹر سپلائی کے دو منصوبے ہیں، دو ٹینکیاں ہیں مگر ان میں پانی نہیں۔ پانی یہاں کا بنیادی مسئلہ ہے اور لوگ ''کھاری'' پانی پینے پر مجبور ہیں۔

مختلف گلیوں سے گذر کر ہم اس گھر کے سامنے پہنچے، جس کی منڈھیر پہ گویا ''اُداسی بال کھولے'' سو رہی تھی۔ یہ گھر لالہ اوتار جی نارائن کا ہوا کرتا تھا۔ یعنی یہ گھر سابق وزیراعظم بھارت شری اندر کمار جی کے پتا جی کا تھا بلکہ ان کا اپنا تھا۔ کیا ہوا جو وہ جہلم کے شمالی محلے میں لب دریا جا کر مقیم ہو گئے ان کا خمیر تو یہیں سے اُٹھا تھا نا۔ کیسر سنگھ بھی جہلم جا کر چیئر مین نیو جہلم

ٹرانسپورٹ تو بن گئے مگر پدھری کو تو نہ بھلا سکے تھے۔

میں اس گھر کے درو دیوار کو حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ یہ وہ گھر تھا جس سے وہ شخصیت منسلک تھی جسے بھارت جیسے بڑے ملک کا وزیر اعظم منتخب ہونے اور دیگر کلیدی عہدوں پر فائز ہونے کا اعزاز حاصل ہوا۔ بھلا کب کسی نے سوچا ہوگا کہ نیلی اور دلجبہ کے دامن میں واقع اس دور افتادہ بستی سے ایک ایسی شخصیت اُبھرے گی۔ جس کی وجہ سے یہ بستی بھی مشہور ہو جائے گی۔

یہ گھر پتھروں سے تعمیر ہوا تھا اور ابھی تک باہر سے مضبوط دکھائی دیتا ہے مگر اندر سے بالکل اسی طرح کھوکھلا ہو چکا ہے جس طرح یادوں کی دیمک انسان کو اندر ہی اندر چاٹ جاتی ہے۔ اس کا خوبصورت چوبی دروازہ، جھکے شانوں اور لرزتے وجود کے ساتھ اب بھی جانے کس کے قدموں کی چاپ کا منتظر تھا۔ اندر کے کمرے کیسے تھے؟

اور اب کس حال میں ہیں معلوم نہ ہو سکا شیخ عنایت صاحب سے جو یہاں کے قدیم باسی ہیں اور اس وقت جب اس گھر کے اصل مالک موجود تھے انہیں مکتب میں لوح و قلم سے رشتہ قائم کئے ہوئیا بھی دو برس گذرے تھے، معلوم ہوا تو اس قدر کہ پہلے یہ مکان '' کانسی شاہ '' کے نام سے معروف تھا پھر کوئی شبیر نامی مہاجر اس میں مکین ہوا اور اب یہ دو منزلہ مکان راجہ نعیم صاحب کی ملکیت ہے۔ آہ! حسین ہے دنیا مگر اک سرائے فانی ہے۔

سورج صاحب کافی عرصے بعد یہاں آئے تھے اور اس وقت گلیوں میں کسی متجسس بچے کی طرح گھوم رہے تھے بے شمار ہاتھ انہیں دیکھ کر سلام کے لئے اُٹھ رہے تھے کئی لوگ لپک کر ان سے آن ملتے اور کئی لوگوں سے یہ خود لپک کر مصافحہ کرتے، پرانی پہچان کا نیا

تعارف ہورہا تھا۔اگرچہ سورؔج صاحب نے تخلیق پاکستان سے چار سال قبل دینہ میں جنم لیا تھا مگر اُن کے اسلاف کی اصل تو اسی گاؤں میں تھی۔سورؔج صاحب ماضی کے حوالوں کو پہچاننے اور شناخت کرنے میں منہمک تھے اور میں دور نیلے آکاش تلے، نیلی کی ان دلفریب پہاڑیوں پر نظر جمائے ہوئے تھا جس کے دامن میں یہ دلفریب بستی اور یہ دلکش انسان بس رہے تھے۔

اس کے بعد ہم نے تالاب کا رُخ کیا۔ایک تالاب تو گاؤں کے بالکل ہی ساتھ واقع تھا مگر اب اک جوہڑ کا منظر پیش کر رہا تھا۔جس تالاب کا میں ذکر کرنے جارہا ہوں یہ موجود مسجد القاسمی کے سامنے واقع ہے۔مسجد کی پیشانی پر بڑے جلی حروف میں اسم اللہ لکھا ہوا ہے۔یہ وہ تالاب ہے جسے مائی کا ''سَر'' کہتے ہیں۔اس میں تین رستے، تین گلیاں بنی ہوئی ہیں جہاں آج بھی خواتین کپڑے دھوتی ہیں۔اس تالاب سے ملحق موہڑہ روشن کا سکول ہے۔ایک طرف موہڑہ کی جانب جاتی ہوئی سڑک اور دوسری جانب دور دور تھک پھیلے ہوئے کھیت جن میں گائیں اور بکریاں گھاس چر رہی تھیں نظر آرہے تھے۔جب ہم تالاب پر پہنچے تو چند مستورات اور دوشیزائیں کپڑے دھونے میں مصروف تھیں۔سورؔج صاحب نے ایک ننھے سے بچے کو بلا کر کہلوا بھیجا کہ ہم اس تالاب کی تصاویر بنانا چاہتے ہیں لہٰذا وہ تھوڑی دیر کے لئے ایک طرف کو ہو جائیں۔مستورات کے ہٹ جانے کے بعد ہم نے تالاب دیکھا اس کے پانی کا رنگ سبزی مائل تھا اور یہ شفاف نہیں تھا۔اس کی چوڑائی قریباً50اور لمبائی 100 گز ہوگی۔تالاب پانی سے لبریز تھا اور اس کے ساتھ کے قطعہ اراضی میں مٹی

چکنی تھی۔تالاب کی دیواریں پتھریلی تھیں اور چوڑی پڑیوں سے اس کے نہایت خوبصورت زینے تعمیر کئے گئے تھے جو آج بھی موجود ہیں۔کہتے ہیں کہ وہ خاتون جنھوں نے یہ تالاب برائے رفاع عام بنوایا تھا انہوں نے ہی مسجد راجگان بھی تعمیر کرائی تھی مگراب اس کی از سرنو تعمیر ہوچکی ہے۔جس جگہ کبھی کھجوروں کے درخت ہوا کرتے تھے وہاں اب پولٹری فارم بن چکا ہے۔اس کے قریب ہی ایک اور کمرہ دکھائی دیا جسے پاپولر،دھریک اور کیلے کے درختوں نے اپنے حصار میں لے رکھا تھا۔

اس کے بعد ہم نے قدیم قبرستان کا رخ کیا اوراس کے درمیانی راستے سے گذرکر مُوہری علیشاہ سے کچھ پہلے ایک تالاب پر پہنچے۔سورؔج صاحب کے بقول یہ تالاب بھی پختہ اینٹوں سے تعمیر کیا گیا تھا مگراب یہ بھی ایک جوہڑ ہی کا منظر پیش کررہا تھا اورلوگ یہاں سے بھینسوں کو پانی پلا رہے تھے۔اس مقام پر سورؔج صاحب ایک بار پھر ماضی میں کھو گئے اور انہیں وہ زمانہ یاد آ گیا جب وہ یہاں اپنی بکریاں چھوڑنے آیا کرتے تھے۔خوب بھلے دن تھے جو گذر گئے۔

یہاں سے واپسی پر انہوں نے ایک مقام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ جب ہندو یہاں سے نقل مکانی کر گئے تو یہاں ان کے مکانات رہ گئے جو عدم توجہ سے کھنڈرات میں بدل گئے اور پھر لوگوں نے کھڑکیاں دروازے بھی اکھاڑ لئے اورانہیں ''کھولا'' بنادیا۔اس 'کھولے' میں ایک عرصہ بچے کھیلتے رہےاور پھر مٹی دوبارہ مٹی میں مل گئی۔

ہم ایک بار پھر پڑی درویزہ کے بازار میں تھے۔چھوٹی چھوٹی دکانوں میں انڈین نغمے گونج رہے تھے۔یہاں سورؔج صاحب کے ایک عزیز نے چائے سے تواضع کی اور ہم اس

چاہتے کا احساس لئے گاؤں کے مغربی قبرستان کی جانب جو جبہ اور بڑی کے درمیان واقع پہنچ گئے۔ یہاں سورج صاحب نے اپنے بعض قریبی اسلاف کی قبروں پر فاتحہ خوانی کی اور اس کے بعد ان پر ایک عجیب سے گھمبیرتا طاری ہوگئی۔ ان کے کرب نے مجھے بھی دُکھی کر دیا۔ یہاں سے ابھی لوٹنے کو جی تو نہیں کر رہا تھا مگر دن ڈھل چکا تھا اور جب سرمئی اجالے بھی غائب ہونے لگے تو ہم اسی راستے سے گذر کر جب واپس مین سڑک پہ پہنچے تو حسینہ شام کی سیاہ دراز زلفیں شب کے قالب میں ڈھلنے کو بے تاب تھیں۔

جنم بھومی

انجم سلطان شہباز

کھلا ہے دفترِ ماضی، نئے عنوان آتے ہیں
یہ خاکے ہی لئے پھر ان کو پاکستان آتے ہیں

مقدس خاک لگتی ہے جہاں بچپن کے دِن گذرے
ہمیں اکثر جنم بھومی کے پھر سے دھیان آتے ہیں

کیا تھا انقلابِ وقت نے محروم جس جس سے
وہ بام و در خیالوں میں مرے انجان آتے ہیں

تجھے بھولا کہاں ہوگا سماں دلکش سہانا سا
ابھی تک قافلے یادوں کے بھی حیران آتے ہیں

ابھی تک ہے مہک شامل فضا میں تیرے پرکھوں کی
ترے رستے وہی پگڈنڈیاں،کھلیان آتے ہیں

نشاں گھر کے ہیں اب تک وقت کے بوڑھے سے شانوں پر
جو دیکھیں ڈیوڑھی تو یاد وہ دالان آتے ہیں

کنارے تو بدلتے ہیں تلاطم خیز لہروں میں
یہ جیون بھی سمندر ہے جہاں طوفان آتے ہیں

روایت سرورِ عالمؐ سے ہے مہماں نوازی کی
بچھادیتے ہیں آنکھیں ہم اگر انسان آتے ہیں

گھرانہ ایک تھا کل تو پڑوسی آج بھی ہم ہیں
سواگت ہے کہ گھر میں پھر وہی مہمان آتے ہیں

ہمیں لینا ہے امریکہ سے کیا اور روس سے کیا اب
کہ باتوں میں تو غیروں کی فقط نادان آتے ہیں

ملے گا کیا لہو اپنا بلا مقصد بہانے سے
لڑائی چھوڑ کر اب صلح کے میدان آتے ہیں

ذرا جھانک کر دیکھو تو ماضی کے جھروکوں میں
نظر انجم پڑی درویزہ نغمہ خوان آتے ہیں